﴿سیدنا امامِ حسین علیہ السلام صلح جُو تھے﴾

حامیانِ یزید جہاں سیدنا امامِ حسین علیہ السلام کے موقف پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ وہاں امامِ مظلوم علیہ السلام کی شخصیت و کردار پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔ ان کی کوشش ہے، کسی طرح عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی جائے، کہ آپ علیہ السلام نعوذ باللہ اختلاف و انتشار کو پسند کرتے تھے۔ لہٰذا جو کچھ ہوا، حضرت حسین علیہ السلام کے مزاج و طبیعت کی وجہ سے ہوا۔ استغفر اللہ من ذالک

چنانچہ (رسوماتِ محرم الحرام اور سانحہ کربلا) کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 97 پر بغیر کسی جھجک کے برملا لکھا ہے۔ کہ

"ان کا مزاج ہی سانحہ کربلا کا سب سے بڑا سبب بنا"۔

لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ اصل حقیقت واضح کر دیں۔ تا کہ سادہ لوح عوام کے ایمان کا تحفظ ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ سیدنا امام

حسین علیہ السلام کا مزاج خالقِ کائنات کی منشاء و مرضی کے مطابق تھا۔ آپ علیہ السلام کے مزاج میں اخلاق و کردار میں ذرا بھر بھی خرابی نہ تھی۔ جن کے بارے میں رب العالمین نے اعلان فرمایا ہو۔

"لیذھب عنکم الرجس اھل البیت"

وہ اس طرح کی اخلاقی خامیوں کا شکار نہیں ہو سکتے اور جن کے بارے میں مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ نبوت سے خبر دے دی ہو۔

"لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض"

کہ حسین اور قرآن ایک دوسرے سے ہرگز ہرگز جدا نہ ہونگے۔ یہ سب جانتے ہوئے، سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے مزاج و کردار پر اعتراض کرنا بے شرمی و ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

قارئین کرام: ۔ قرآن و حدیث کے اس واضح اور دو ٹوک فیصلے کے بعد ہمیں کسی تاریخی کتاب کے حوالے کی ضرورت نہ تھی۔ مبغضانِ حسین علیہ السلام چونکہ تاریخ کا سہارا لیکر سیدنا امامِ حسین علیہ السلام کے اخلاق و کردار پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان حامیانِ یزید کی ہفوات و خرافات کی تردید کے لیے ایک نظر تاریخ کی طرف بھی جھانک لیتے ہیں۔

اگر آپ اختلاف اور انتشار ہی کی راہ اپنانے والے ہوتے تو اس وقت اعلانِ بغاوت کر دیتے، جب سیدنا حسن علیہ السلام نے امیرِ شام کے ساتھ مصالحت کر لی تھی۔ سرکردہ افراد نے حضرت حسن علیہ السلام سے بات کرنے کے بعد حضرت حسین علیہ السلام سے کہا تھا۔

دع الحسن وما رأى من هذا الصلح، واجمع إليك شيعتك من أهل الكوفة وغيرها، وولني وصاحبي هذه المقدمة، فلا يشعر ابن هند إلا ونحن نقارعه بالسيوف.

فقال الحسين: (أنا قد بايعنا وعاهدنا، ولا سبيل إلى نقض بيعتنا).

وكتب إليه جعدة بن هبيرة بن أبي وهب، (أما بعد، فإن من قبلنا من شيعتك متطلعة أنفسهم إليك، لا يعدلون بك أحدا، وقد كانوا عرفوا رأي الحسن أخيك في دفع الحرب، وعرفوك باللين لأوليائك، والغلظة على أعدائك، والشدة في أمر الله، فإن كنت تحب أن تطلب هذا الأمر فاقدم علينا، فقد وطنا أنفسنا على الموت معك)

فكتب إليهم: (أما أخي فأرجو أن يكون الله قد وفقه، وسدده فيما يأتي، وأما أنا فليس رأيي اليوم ذلك، فالصقوا رحمكم الله بالأرض، وأكمنوا في البيوت، واحترسوا من الظنة ما دام معاوية حيا، فلن يحدث الله به حدثا وأنا حي، كتبت إليكم برأيي والسلام).

اے ابو عبداللہ حسن کو چھوڑیے ، ان کی صلح پر نہ جایئے۔ آپ کے کوفہ و دیگر شہروں میں جتنے بھی چاہنے والے ہیں۔ انہیں اکٹھا کیجئے۔ مجھے اور میرے اس ساتھی کو فوج کے مقدمۃ الجیش پر مقرر کر دیجئے۔ ہند کے بیٹے کو معلوم بھی نہیں ہو گا۔ ہم تلواروں کے ساتھ اس کے سر پر پہنچ چکے ہونگے۔

تو حضرت حسین علیہ السلام نے جواباً فرمایا ، کہ ہم معاہدہ کر چکے ہیں۔ ہم اپنے معاہدے کو توڑ نہیں سکتے۔ اور پھر خط لکھا ، کہ میرے بھائی نے جو قدم اٹھایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ توفیقِ الٰہی سے اٹھایا ہے۔ آج میری وہ رائے نہیں ، جو تمہاری ہے۔ جب تک معاویہ زندہ ہے زمین کے ساتھ چپک جاؤ اور گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ میری زندگی میں اگر کوئی نئی صورتِ حال بنی تو تمہاری طرف اپنی رائے لکھ بھیجوں گا۔ والسلام

(الأخبار الطوال صف396)

درج بالا عبارت حامیانِ یزید کی اس گھٹیا سوچ کی تردید کر رہی ہے۔ کہ سیدنا حسین ؓ مزاجاً صلح پسند نہیں تھے۔

شبہ

یزید کا تقرر حضرت معاویہ نے کیا تھا۔ جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔

" اللهم اجعله هاديا و مهديا"

اے اللہ اسے ہادی و مہدی بنا دے۔ جس شخص کا تقرر ہادی و مہدی نے کیا ہو، اس کی حکومت غیر شرعی کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جو حکومت غیر شرعی نہ ہو اس کے خلاف اٹھنا جائز نہیں ہوتا۔

اشکال

مذکورہ بالا روایت پر بنیاد رکھتے ہوئے یہ کہنا کہ یزید کی حکومت غیر شرعی نہیں تھی۔ سراسر کج فہمی ہے۔ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک ناصبی شخص نے یزید کے فضائل پر ایک کتاب مرتب کی۔ جس میں اس نے مذکورہ بالا روایت درج کر کے یزید کو شرعی حکمران ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔ جس کے جواب میں عالم اسلام کے مایہ ناز محدث امام ابنِ الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" تصنیف فرمائی۔ جس کی حافظ ابن کثیرؒ نے بھرپور انداز میں تائید و تعریف کی۔

امام ابن جوزیؒ نے اس کتاب میں مذکورہ بالا روایت

"اللھم اجعلہ ھادیا و مھدیا"

کے دو جواب دیئے تھے۔

1۔ یہ روایت صحیح نہیں ۔ ضعیف ترین روایت ہے۔ اس روایت کا دارومدار محمد بن اسحاق البلخی پر ہے اور یہ کذاب شخص تھا۔ سیدنا علی بن ابی طالب سے بغض رکھتا تھا۔ قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اس کا تذکرہ نہایت برے الفاظ کیساتھ کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے "اس شخص نے ام المومنین کو گالیاں دیں۔ لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا یہ بھاگ گیا"

مزید لکھتے ہیں۔ ابو علی صالح بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

"کان محمد بن اسحاق کذاب یضع الکلام لاسناد ویروی احادیث مناکیر"

محمد بن اسحاق کذاب راوی تھا۔ روایات کی سندیں گھڑ لیا کرتا اور منکر احادیث روایت کیا کرتا تھا۔

علامہ ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" یاتی عن الثقات بما لیس من حدیث الاثبات"

یہ ثقہ راویوں سے ایسی روایات لاتا ہے جو اثبت رواۃ سے مروی نہیں۔

ثانیا:۔

"ثم لیس من ضرورۃ الدعا الاجابۃ اذ لوقعت فی کل حال ماحرب صفین و تولیتہ یزید"

یہ ضروری نہیں۔ کہ ہر دعا قبول ہی ہو، اگر ایسا ہوتا تو یقینا جنگ صفین رونما نہ ہوتی اور نہ ہی یزید کی ولی عہدی کا معاملہ پیش آتا۔

(الرد علی المتعصب العنید ص77،76،75)

قارئین کرام:

امام ابنِ الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ صفین کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو سیدنا علی علیہ السلام اور امیرِ شام کے مابین واقع ہوئی تھی۔ اہلِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کا اجتہاد ہی درست و برحق تھا اور امیرِ شام

غلطی پر تھے۔اگرچہ امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر میں چند جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ مثلا حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما جن کے بارے میں علمائے اسلام کا کہنا ہے یہ لوگ چونکہ امت کے برگزیدہ و جلیل القدر افراد میں سے ہیں۔اس لیے ان کی نیتوں پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ نیتیں اگرچہ ان کی نیک تھیں، ارادے نیک تھے لیکن اس اجتہاد میں خطا کر گئے۔

جبکہ بعض ناصبی مصنفین ،بُغضِ علی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اہلِ سنت کے اس مسلمہ موقف کے برعکس موقف رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تقاریر و تحریرات میں بڑے زور و شور سے کہا کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ غلطی پر۔اس مسئلہ کا تفصیلی تذکرہ اپنی دوسری کتاب "دفاع سیدنا علی المرتضےٰ" میں کریں گے۔انشاء اللہ سر دست مختصر طور پراس بات کا جائزہ لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں

علمائے اسلام اس بارے میں کیا فیصلہ سناتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

"كان الحق و الصواب مع علي"

حق اور صواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج8 ص132)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:۔

کتاب فتن واشراط الساعۃ میں لکھتے ہیں۔

"هذه الروايات صريحة في ان عليا كان هو المصيب المحق و الطائفة الاخرى اصحاب معاوية كانوا بغاة "

کہ یہ روایات اس بات کے واضح ترین دلائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ درست فیصلہ کرنے والے تھے، حق پر تھے اور حضرت معاویہ کے ساتھی باغی تھے۔

(کتاب فتن واشراط الساعۃ ج7 ص167)

دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں۔

" وكان على هو المحق المصيب فى ذلك الحرب وهذا مذهب اهل السنة"

(شرح مسلم للنووی ج9 ص265)

اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق اور درست موقف کے حامل تھے۔ یہی اہلِ سنت کا موقف ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا دوٹوک فیصلہ:

"ان عليا هو المحق"

بلاشک وشبہ حضرت علی ہی برحق تھے۔

(المفہم ج7ص95)

قاضی عیاض اندلسی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

"فيه حجة بينة للقول ان الحق مع علي و حزبه"

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حق حضرت علی اور آپ کی جماعت ہی کے ساتھ تھا۔

(اکمال المعلم ج8ص229)

امام المحدثین علامہ امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

علامہ صاحب اپنی مشہور زمانہ کتاب "سبل السلام" میں ایک حدیث کی شرح لکھتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

والحديث دليل على ان ۔۔۔الفئة المحقة على رضى الله عنه ومن فى صحبته وقد نقل الاجماع من اهل السنة بهذا القول جماعة من ائمتهم"

درج بالا حدیث اس موقف کی دلیل ہے کہ برحق جماعت سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کا گروہ ہے۔ اس بات پر ائمہ اہل سنت کی اچھی خاصی جماعت نے اجماع ذکر کیا ہے۔

(سبل السلام ج3ص259)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

"وانه على الحق وهم المبطلون"

(السراج الوھاج ج2ص716)

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مدِ مقابل باطل پر۔

علامہ ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ :۔

" کان المصیب علیا "۔

حضرت علی ﷛ کا فیصلہ ہی درست تھا۔

(تاریخ ابنِ خلدون ج1 ص203)

مجدد الف ثانی ﷫ کا فیصلہ :۔

"محاربان امیر کرم اللہ وجهه برخطا بوده اند و حق بجانب امیر بوده"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لڑنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف تھا۔

(مکتوبات ص272)

فقہائے احناف کا فیصلہ :

برصغیر پاک و ہند میں بہت سے افراد فقہ حنفی سے وابستہ ہیں۔ اس لیے نہایت ضروری محسوس ہوتا ہے۔ کہ فقہائے احناف کا نقطہ نظر بھی واضح کر دیا جائے۔

ملا علی قاری الحنفی ﷫ کا فیصلہ :

" مما یدل علی صحة اجتهاده و خطا معاویة فی مراده ما صح عنه صلی اللّٰه علیه وسلم فی حق عمار بن یاسر تقتلک الفئة الباغیة"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے درست اور حضرت معاویہ کے اجتہاد کے غلط ہونے کی دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی یہ صحیح روایت ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص75)

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:۔

"بعد ازاں خلیفه مطلق و امام برحق حضرت علی المرتضی کرم اللّٰه وجهه شد"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ مطلق اور امام برحق ہوئے۔

(مدارج النبوۃ ج1 ص249)

علامہ برہان المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

باغیوں کے بارے میں احکامات شرعی لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں

"ولا يسبي لهم ذرية ولايقسم لهم مال لقول علی يوم الجمل"

انہیں نہ قیدی بنایا جائے اور نہ ہی ان کے مال بطور غنیمت کے تقسیم کیے جائیں کیونکہ حضرت علی نے جمل کے دن یہی فیصلہ کیا تھا۔

(الہدایہ باب البغاۃ ج2ص59)

قارئین کرام: صاحبِ ہدایہ نے حضرت علی علیہ السلام کے فیصلے پر بنیاد رکھتے ہوئے باغیوں کے بارے مسائل اخذ کر کے ثابت کر دیا کہ حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔

علامہ ابوالیسر البزدوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

" كان علیّ علی الحق"

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔

(اصول الدین ص197)

قول فیصل:۔

قارئین کرام : آپ نے مختلف مکتبہ فکر سے وابستہ علمائے کرام و مسلمہ محدثین کرام کے اقوال ملاحظہ فرمائے۔ اب ہم صحابی رسول سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا موقف ذکر کرتے ہیں۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ:۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے واشگاف الفاظ میں فرمادیا تھا۔

"ان علیا امامھم الحق و ضدہ علی الباطل"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امامِ برحق تھے اور ان کے مدِمقابل باطل پر

(امام ہیثمی فرماتے ہیں۔رجالہ ثقاۃ، مجمع الزوائدج7ص243)

الحاصل :۔ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ

" اللهم اجعله هاديا و مهديا"

حضرت معاویہ کے حق میں ثابت نہیں۔ اگر یہ روایت بسند صحیح ان کے حق میں متحقق ہو چکی ہوتی تو وہ کبھی بھی حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں میدان میں نہ آتے اور ناصبیوں کا یہ دعویٰ بھی باطل ثابت ہوا کہ یزید کو ہادی اور مہدی نے متعین کیا تھا۔ جسے ہادی و مہدی متعین کرے اس کی حکومت غیر شرعی نہیں ہو سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ اکابرین اسلام کے فتاویٰ جات کی روشنی میں نہایت پختگی کے ساتھ برحق ثابت ہو گیا۔" کہ اگر یہ روایات صحیح ہوتیں تو کبھی بھی جنگِ صفین اور یزید کی ولی عہدی کے واقعات پیش نہ آتے"۔

وضاحت: نہایت ضروری محسوس ہوتا ہے۔ کہ علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام و مرتبہ واضح کر دیا جائے۔ کیونکہ

حامیانِ یزید علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع کرنے سے بعض نہیں آتے۔ جبکہ علمائے اسلام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے معترف نظر آتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

علماء میں سے یکتائے روزگار تھے۔ بہت سے علوم میں امتیازی مقام حاصل کیا۔ تین سو کے لگ بھگ ضخیم و مختصر کتب تصنیف فرمائیں۔ انہیں تمام علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ عرب و عجم کی اقوام کی تاریخ کے بارے میں اُن کی بیس جلدوں پر مشتمل بنام "المنتظم" مفصل تاریخ بھی ہے۔ جس سے ہم نے اپنی اس کتاب "البدایہ والنہایہ" میں کافی استفادہ کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں خلفاء و وزراء ، بادشاہ، امراء ، علماء اور فقراء الغرض ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ وعظ میں کم از کم دس ہزار افراد

موجود ہوتے۔ بعض اوقات سامعین کی تعداد ایک لاکھ سے بھی تجاوز کر جاتی تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج13 صفحہ 35)

علامہ صدیق الحسن خان بھوپالوی رحمۃ اللہ علیہ کا خراج تحسین

بلاشک و شبہ آپؒ اہلِ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون تھے۔ نہایت قابلِ فخر شخصیت کے حامل سنتِ مطہرہ کے مدد گار وں میں سے تھے۔ اہلِ بدعت کی بھرپور تردید کرنے والے تھے۔ آپ کے مناقب احاطہ بیان سے بھی باہر ہیں۔

(التاج المکلل)

شُبہ

اگر حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف خروج کرنا برحق تھا۔ تو دوسرے صحابہ کرام یزید کے خلاف کیوں نہ اٹھے؟

اشکال

حامیانِ یزید اس طرح کی باتیں کر کے عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت حسین علیہ السلام کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے حمایتی اور طرف دار تھے۔ اگر یزید کے مخالف ہوتے ۔ تو کبھی خاموش نہ بیٹھے رہتے۔ یزید کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیتے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ ناصبیوں نے یہاں بدترین علمی خیانت سے کام لیا ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یزید کا گھناؤنا کردار جب عوام کے سامنے بے نقاب ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ کہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف تھا۔ کہ یزید کے خلاف خروج کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔اس اقدام سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ سلطنت یزیدیہ کا تسلط بُری طرح قائم ہو چکا ہے۔ ان حالات میں جان و اموال کے ضیاع کے امکانات یقینی ہیں۔ لہٰذا صبر سے کام لینا چاہیے۔اللہ کے حضور دعا کرتے رہنا چاہیے۔ کہ بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔اس کے برعکس سیدنا امامِ حسین علیہ السلام اور انکے رفقاء نے سمجھا۔کہ میدان میں نکلنے سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے۔یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ حالات ہماری گرفت میں نہیں ۔فائدے کی بجائے شدید نقصان ہو گا۔ بیٹھے رہے اور یزید کے خلاف خروج نہ کیا۔

قارئین کرام :۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جب جبر و ستم کا بازار گرم ہو۔ حالات انتہائی مخدوش ہوں تو شریعتِ محمدیہ نے دو راستے رکھے ہیں۔

- ایک ہے راہِ عزیمت
- دوسرا راستہ رخصت کا ہے

راہ عزیمت پر چلنے والے شریعتِ محمدیہ کی نظر میں اولوالعزم، عالی ہمت اور اجرو ثواب کے حق دار قرار پاتے ہیں اور رخصت پہ عمل کرنے والے معذور قرار پاتے ہیں۔ یعنی شرعی طور پر انہیں گنہگار قرار نہیں دیا جاتا لیکن وہ رخصت پر عمل کرنے کی بنا پر قابلِ ستائش اور اجر و ثواب کے حقدار قرار نہیں پاتے۔ یہ کیا اندھیر نگری ہے کہ اہل رخصت کے عمل کو بنیاد بنا کر اہلِ عزیمت کے قابل ستائش عمل پر طعن کیا جا رہا ہے۔

یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خروج نہ کرنے کی اصل حقیقت اور یہ ہے اس مسئلے کا حقیقی پسِ منظر۔ جسے حامیانِ یزید نے مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

علامہ ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولما حدث في يزيد ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حينئذ في شأنه. فمنهم من رأى الخروج عليه ونقض بيعته من أجل ذلك، كما فعل الحسين وعبد الله بن الزبير رضي الله عنهما ومن اتبعهما في ذلك، ومنهم من أباه لما فيه من إثارة الفتنة وكثرة القتل مع العجز عن الوفاء به لأن شوكة يزيد يومئذ هي عصابة بني أمية وجمهور أهل الحل والعقد من قريش، وتستتبع عصبية مضر أجمع، وهي أعظم من كل شوكة، ولا تطاق مقاومتهم، فأقصروا عن يزيد بسبب ذلك، وأقاموا على الدعاء بهدايته والراحة منه، وهذا كان شأن جمهور المسلمين. والكل مجتهدون ولا ينكر على أحد من

الفريقين، فمقاصدهم في البر وتحري الحق معروفة وفقنا الله للاقتداء بهم.

(مقدمہ ابن خلدون 110)

جب یزید میں وہ فسق و فجور پیدا ہو گیا جو ہونا تھا تو اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف ہو گئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی ۔کہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔ جو لوگ اس کی بیعت کر چکے ہیں۔ انھیں اس کی بیعت توڑ دینی چاہیے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نواؤں کی یہی رائے تھی۔ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی۔ کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے فتنہ بھڑک اٹھنے اور اندیشہ قتلِ عام کے پیشِ نظر نیز اپنے اندر مقابلے کی طاقت محسوس نہ کرتے ہوئے خروج کا راستہ اختیار نہ کیا۔ کیونکہ ان دنوں یزید کی قوت دراصل بنوامیہ کی عصبیت تھی۔ جمہور اہلِ حل

وعقد کا تعلق قریش سے تھا۔اس کے ساتھ ساتھ بنو مضر کی طاقت بھی شامل تھی اور یہ سب طاقتوں سے بڑی طاقت تھی ۔جس کے مقابلے کی کسی میں تاب نہ تھی۔اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگ یزید کے خلاف نہ اٹھے۔چنانچہ وہ دعائیں کرنے لگے ۔کہ اللہ یزید کو ہدایت دے۔اور اس کے شر سے راحت بخشے۔یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم (یزید کے خلاف خروج کرنے والے اور خروج نہ کرنے والے) خود مجتہد تھے۔کسی نے ایک دوسرے پر اعتراض نہ کیا۔

اور مزید لکھتے ہیں۔

وأما الحسين فإنه لما ظهر فسق يزيد عند الكافة من أهل عصره، بعثت شيعة أهل البيت بالكوفة للحسين أن يأتيهم فيقوموا بأمره. فرأى الحسين أن الخروج على يزيد متعين من أجل فسقه لا سيما من له القدرة على ذلك، وظنها من نفسه بأهليته وشوكته. فأما الأهلية فكانت كما ظن وزيادة. وأما

الشوكة فغلط يرحمه الله فيها لأن عصبية مضر كانت في قريش وعصبية قريش في عبد مناف، وعصبية عبد مناف إنما كانت في بني أمية

(مقدمہ ابنِ خلدون ص113)

جب یزید کا فسق و فجور اس دور کے تمام لوگوں پر واضح ہو گیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے (کوفہ میں رہنے والے طرفداروں) نے پیغامات بھیجے۔ کہ آپ ان کے پاس تشریف لائیں۔ تو ہم آپ کے حکم پر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔ کہ یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا اب ضروری ہو گیا ہے۔ خاص طور پر اس شخص کے لیے جو اس کے مقابلے کی طاقت رکھتا ہو۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ میں (منصبِ خلافت) کا اہل ہوں۔ اور (سلطنتِ یزیدیہ) سے ٹکرانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں۔ رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ خیال کرنا کہ میں منصبِ

خلافت کا اہل ہوں۔ تو حضرت حسین ﷛ میں بلا شک و شُبہ اس کی اہلیت تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگانے میں غلطی کر گئے۔ کیونکہ ان دنوں بنو مضر کی طاقت قریش میں تھی اور قریش کی عبدِ مناف میں اور عبدِ مناف کی بنو امیہ میں۔

نوٹ:۔ علامہ ابنِ خلدونؒ حامیانِ یزید کے ہاں معتبر ترین مورخ ہیں۔ چنانچہ پاک و ہند میں فتنہ یزیدیت کے بانی محمود عباسی نے لکھا۔ ایک منفرد مثال علامہ ابنِ خلدونؒ کی ہے۔ جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ میں بعض مشہور وضع روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص49)

شُبہ

مقتول اگر موت سے قبل اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے۔ تو قاتل کی شناخت میں یہ سب سے بڑا ثبوت ہے بلکہ آج کے

ترقی یافتہ دور میں بھی مرنے سے قبل مقتول کا بیان سب سے ٹھوس مانا جاتا ہے۔ اور حسین ؓ نے بھی وفات سے قبل اپنے قاتل کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ تمام مورخین نے متفقہ طور پر وفات سے قبل حسین ؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے؟

"فانهم دعونا لينصرونا فعدوا علينا فقتلونا"

(یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص345)

ازالہ

اولا: اس روایت کی سند صحیح نہیں اس روایت کا صحیح سند سے منقول نہ ہونا ناصبیوں کے ہاں مسلم ہے۔ ایک ناصبی اس روایت کے متعلق لکھتا ہے۔چنانچہ جہاں تک اسکی سند کا معاملہ ہے تو ابن جریر طبری نے دو سندوں سے اسے نقل کیا

ہے۔۔اصولِ حدیث کے معیار پر ان دونوں سندوں میں سے کوئی سند صحیح نہیں ہے۔

(الزامات کا تحقیقی جائزہ ص 346)

قارئین کرام:

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ ان ناصبیوں کی پیش کردہ روایت کی اسنادی حالت کیسی ہے؟ یہ لوگ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اسکی سند صحیح نہیں لیکن پھر اپنے مقصد کے لیے روایت کو ذکر کر کے اس پر اپنے نظریے کی بنیاد بھی استوار کر لیتے ہیں۔ یہ ناصبیوں کے شاطر پن کی بدترین مثال نہیں تو اور کیا ہے؟

ثانیا: مذکورہ بالا روایت سے یہ مفہوم اخذ کرنا کہ قاتل صرف کوفی ہی ہیں۔یزیدی فوج کا سانحہ کربلا سے کوئی تعلق نہیں یزید قطعی طور پر بری ہے۔ یہ صریحا زیادتی ہے۔

اصل حقیقت تو یہ ہے کہ کوفیوں نے آپ علیہ السلام کو خطوط لکھے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیں ہم آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ لیکن بعد میں اپنی بات سے پھر گئے۔ سیدنا حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا تو درکنار، انھیں بے یار و مددگار تلواروں کے آگے چھوڑ دیا اس لیے کوفیوں کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ ہمارے ہاں کوفی اور یزیدی لشکر دونوں برابر کے شریک ہیں۔

ثالثاً: اُن دنوں کوفہ کا گورنر کون تھا؟ کوفہ کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں تھی؟

یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ کوفہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد تھا۔ جس کا تقرر خود یزید نے کیا تھا اور یہ بھی یاد رہے، عبیداللہ بن زیاد کسی کوفی کے ماتحت نہیں تھا۔ بلکہ اہلِ کوفہ ابنِ زیاد کے حکم کے پابند تھے۔ اس لحاظ سے شامی ہوں یا کوفی یہ سب یزید کے لشکری قرار پاتے ہیں۔

اگر کسی گھر ڈاکہ پڑے بعد میں تفتیش سے ثابت ہو کہ ڈاکہ زنی میں گھر کا فلاں آدمی بھی ملوث ہے کیا یہ کہا جائے گا۔ کہ ڈاکہ صرف اور صرف اس آدمی نے ہی ڈالا ہے بیرونی ڈاکو جنھوں نے حملہ کیا تھا بالکل بری الذمہ ہیں۔ "ہر شخص یہی کہے گا ڈاکہ زنی میں گھر کا فلاں شخص اور ڈاکو برابر کے شریک ہیں۔ اگرچہ اہل خانہ کو رنج زیادہ اپنے اس آدمی پر ہو گا۔ جو ڈاکہ زنی میں ملوث ثابت ہوا۔ لیکن گھر والے لوگ بیرونی ڈاکوؤں کو بالکل بری الذمہ بھی قرار نہیں دیں گے۔

شبہ

سوائے حضرت حسین، عبداللہ بن الزبیر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے تمام لوگوں نے یزید کی بیعت کرلی تھی جس شخص کو تین چار آدمیوں کے علاوہ تمام عالم اسلام نے حاکم تسلیم کر لیا ہو اس کے خلاف خروج کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

اشکال

حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت امام حسین ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی آواز کو محض تین چار افراد کی آواز قرار دینا حقائق سے انحراف ہے اور کچھ نہیں۔

قارئین کرام: تاریخ اسلام کی یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو سلطنت یزیدیہ زیر نہ کر سکی۔ اگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی آواز صرف فردِ واحد کی آواز تھی تو بتایا جائے۔ یزید عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مغلوب کیوں نہ کر سکا؟ کیا وہ جنات کے لشکر تھے جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حمایت میں لشکرِ یزید کے سامنے سینہ سپر رہے؟

رہے سیدنا امام حسین علیہ السلام تو آپ کی آواز بھی فردِ واحد کی آواز نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ تو اہلِ ایمان کے نمائندے تھے۔ عوام و خواص کی امیدوں کا مرکز تھے۔ اور اہلِ عراق کا یزید کے

مخالف ہونا تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے۔ جس کا انکار نا ممکنات میں سے ہے۔ ناصبی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کو اہلِ کوفہ نے بکثرت خطوط ارسال کیے تھے۔ اگر اہلِ عراق خصوصا کوفہ کے لوگ بھی یزید کے ساتھ تھے تو سیدنا امام حسین علیہ السلام کو خط کون لکھتارہا۔۔۔؟ یا پھر یزید نے حضرت حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ کو قتل کروانے کے لیے سارا ڈرامہ رچایا تھا۔

ثابت ہوا صرف تین چار آدمی یزید کے مخالف نہ تھے بلکہ عالم اسلام کی اچھی خاصی عوام یزید کے مخالف تھی۔

شُبہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ آٹھ ذوالحج کو مکہ سے روانہ ہوئے۔ ان دنوں مکہ میں حاجیوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ انتظار کرتے حج کے موقعہ پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتے۔ ایسے سنہری موقع پر یزید

کی حکومت کے خلاف بات نہ کرنا کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ حضرت حسین کے خروج کا مقصد کوئی اور ہی تھا۔

اشکال

جب انسان مجرم کی پشت پناہی پر کمر بستہ ہو جائے تو ایسی باتیں ہی کیا کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ بنو امیہ کی جابرانہ حکومت ہر جگہ اپنے پنجے گاڑھ چکی تھی۔ صبر و تحمل تو یزیدی امراء کی گویا کہ گھٹی میں بھی نہ تھا۔ حج کے موقعہ پر اگر یزیدی حکومت کے خلاف اعلانِ بغاوت کیا جاتا۔ تو دور دراز کے علاقوں سے حج کی آڑ میں سیر وسیاحت کی غرض سے آئے ہوئے بنوامیہ کے عیاش امراء کیسا رویہ اپناتے؟ کیا مکہ مکرمہ میں خون کی ندیاں نہ بہہ جاتیں؟۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اُن دنوں مکہ مکرمہ کا امیر بھی یزید کا ہی متعین کردہ شخص تھا۔

لمحہ فکریہ

قارئین کرام:

ناصبیوں اور یزیدیوں کی تحریرات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں ، کہ یہ لوگ سیدنا حسین علیہ السلام کو عام شخصیت تصور کرتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ سیدنا حسین علیہ السلام کو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت میں کھڑا کر کے ان کے بارے میں فیصلہ طلب کر رہے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان گستاخانِ اہل بیت نے کبھی سیدنا حسین علیہ السلام کو ناصبی الفکر ابن العربی کی عدالت میں اور کبھی ابنِ تیمیہ کی عدالت میں کھڑا کیا ہوتا ہے۔اور سیدا شباب اھل الجنہ کے بارے میں ان سے فیصلے طلب کیے جا رہے ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضرت حسین علیہ السلام صرف صحابی ہی نہیں ، بلکہ

مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔ اکابرینِ امت سیدنا حسین علیہ السلام کے طرزِ عمل سے تو مسائل اخذ کرتے نظر آتے ہیں اور یہ ناصبی سیدنا حسین علیہ السلام پر اعتراض کرتے نظر آتے ہیں۔ افسوس! آج یہ تو کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام کے خروج کا جواز کیا تھا؟ یہ نہیں کہا جاتا کہ یزید ایسا حکمران تھا جس کے خلاف خروج جائز تھا۔ کیونکہ حضرت امامِ حسین علیہ السلام نے اس کے خلاف خروج کیا تھا۔ اور مقامِ تعجب ہے کہ دیگر صحابہ کے طرزِ عمل کو مختلف مسائل کی دلیل کے طور پر لے لیا جاتا ہے۔ جبکہ سیدنا حسین علیہ السلام کے طرزِ عمل پر اعتراضات کے نئے نئے نشتر چلائے جاتے ہیں۔ اکابرینِ اسلام و سلف صالحین کا طریقہ کار تو ایسا نہ تھا۔

بعض روایات یہ کہہ کر رد کر دی جاتی ہیں کہ ان روایات کو اگر تسلیم کیا جائے تو منصبِ صحابیت پر زد پڑتی ہے، لیکن یہ

کس قدر بے انصافی اور ظلم کی انتہا ہے کہ یہی حامیانِ یزید کبھی ایسی روایت کو رد کرتے نظر نہیں آتے جس سے نواسۂ رسول ﷺ کے وقار و مرتبہ پر حرف آتا ہو بلکہ اُس وقت موضوع سے موضوع روایت کو بھی قابل حجت سمجھ لیا جاتا ہے۔کاش ! کبھی حضرت حسین علیہ السلام سے متعلقہ روایت کے بارے میں بھی یہ کہہ دیا جاتا کہ " ہم اس روایت کو نہیں مانتے ، کیونکہ اس سے حضرت حسین علیہ السلام کی ذات پر حرف آتا ہے "۔

یاد رہے ہر صحابی واجب الاحترام ہے، صحابیت خواہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکل میں ہو یا سیدنا حسین علیہ السلام کی شکل میں ہو صحابیت ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کی شکل میں ہو یا حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی شکل میں ہو بعض صحابہ کا احترام اور بعض پر رکیک حملے یہ

سلف صالحین کا راستہ نہیں ، یہ تو بد دیانت اور گمراہ ترین لوگوں کا طرزِ عمل ہے۔